ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

پاک و ہند کے فنِ تعمیر پر ایران و توران کا اثر

[زیرِ نظر مقالے کی دو اقساط "وسطی ایشیا کے مسلمان" کی گزشتہ دو اشاعتوں میں یکے بعد دیگرے شائع ہو چکی ہیں۔ مندرجہ ذیل تیسری قسط پر مقالہ مکمل ہو گیا ہے۔ مدیر]

۵

مغلیہ عمارات میں دو گنبد تعمیری لحاظ سے خاص اہمیت کے حامل ہیں، گنبد تاج محل آگرہ اور درمیانی گنبد بادشاہی مسجد لاہور۔ یہ گنبد اندر سے دوہرے ہیں۔ یعنی جب ہم ان کے نیچے کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ اس گول کلاہ نما چھت کو اوپر سے ایک اور بہت بلند گول چھت (یعنی گنبد) گھیرے ہوئے ہے۔ جب ہم اس عمل کا کوئی اور نمونہ تلاش کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سمرقند میں اس طرح کا دوہرا گنبد "گور امیر تیمور" کا ہے۔ یہ گنبد سمرقند میں ۸۰۵ھ میں تعمیر ہوا تھا۔ سمرقند کا گنبد بھی بلب نما ہے۔ گور تیمور کے گنبد اور مذکورہ گنبدوں میں گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ دوہرے گنبد بنانے کا فن قدیم ہے۔ مسلمانوں نے گنبد کی دوہری تعمیر کو فن تعمیر میں خاص اہمیت دی۔ سب سے اول دوہرا گنبد بیت المقدس (یروشلم) میں تعمیر ہوا۔ اس کی تکمیل ۹۳۰ھ میں ہوئی تھی۔ گنبد کا یہ نمونہ لباس میں بھی جاری و ساری تھا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنے لباس کو بھی دوہرا ہی تجویز کیا اور پگڑی کے اندر کلاہ کو پسند فرمایا۔ یہی طرز بعد میں ایران میں صفویوں نے اختیار کی۔ دوہرے گنبد کی بلند و بالا طرز نے عمارتوں کے حسن میں اضافہ کر دیا۔ برصغیر پاک و ہند میں اولین عمارت جس میں دوہرے گنبد کا استعمال ہوا ہے، ہمایوں کے مقبرے کا گنبد ہے۔ دوسری اہم مثال تاج محل آگرہ شمار ہوتی ہے۔ فنی لحاظ سے دیکھا جائے تو تاج محل کا گنبد اور بادشاہی مسجد کا درمیانی گنبد فن تعمیر کی تاریخ میں دو بہت بڑے گراں قدر کارنامے ہیں جن کو کوئی اور ملک پیدا نہیں کر سکا۔ گنبدوں کی تاریخ میں یہ دو نمونے اس لحاظ سے یادگار ہیں کہ ان میں قدیم اسلامی روایت کی تقلید نہیں ارتقاء پایا جاتا ہے۔

فن تعمیر کے لحاظ سے عمارت کا دوسرا اہم حصہ میناروں کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے مینار کی ابتداء در اصل بطور موذنہ (برائے اذان) کی اور اسے مستقل فنی حیثیت دی۔ مینار کو عام طور پر مساجد کا جزو قرار دے دیا گیا ہے اور مساجد کی خوبصورتی اور موزونیت کو مدّنظر رکھ کر بہت سے اعلیٰ سے اعلیٰ مینار بنائے گئے۔ ایرانی عمارتوں میں مینار کا اچھا نمونہ اصفہان کے محلہ گلبن میں مینارِ علی ہے جو پانچویں صدی ہجری میں تعمیر ہوا۔ اسے ملک شاہ سلجوقی نے بنوایا تھا۔ پاک و ہند میں قطب مینار کو خاص حیثیت حاصل ہے۔ مغلوں نے مینار کو مساجد سے نکال کر مقبروں میں بھی تعمیر کر دیا۔ مینار مقبروں میں موزونیت اور خوبصورتی عمارت کے لیے برتا گیا۔ ایسے میناروں کی عمدہ مثال ہمیں تاج محل آگرہ اور اس سے پیشتر لاہور میں مقبرۂ جہانگیر میں ملتی ہے۔ میناروں کی شکل و صورت ایران سے براہِ راست اخذ کی گئی۔ اورنگ زیب نے لاہور میں مسجد تعمیر کی جسے بادشاہی مسجد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے تو اس کے چاروں کونوں پر چار مینار بنائے۔ اس سے قبل دہلی کی جامع مسجد جسے شاہجہاں نے ۱۰۶۰ھ میں تعمیر کیا تھا، صرف دو میناروں پر مشتمل تھی۔

مغل مقبروں میں سردابہ کو بھی خاص مقام حاصل ہے۔ یہ عمل بھی مغلوں سے خاص نہیں بلکہ اس سے قبل بیرون ہند میں بہت مقبول رہا ہے۔ خود ہند میں ایک آدھ قدیم نمونہ دستیاب ہے۔ مغلوں نے اسے بکثرت استعمال کر کے فن کا ضروری حصہ بنا لیا۔ اتفاق سے لاہور میں لارنس روڈ پر ایک قدیم مقبرہ اینتھونی گرجا کے سامنے پیر ہادی شمس کا موجود ہے۔ ان کی تاریخ وفات ۶۶۹ھ ہے۔ اس روضے میں یہ خصوصیت ہے کہ اصل قبر فرش کے نیچے ایک کمرہ میں ہے۔ قبر سازی کا یہ فن وسطِ ایشیا اور آذر بائیجان سے یہاں آیا۔ یہی سردابہ ہمیں دہلی کی قدیم قبروں میں بھی نظر آئے گا۔ اس سے اس طرز کی قدامت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جب تیمور نے سمرقند میں اپنی بیوی بی بی خانم کا مقبرہ ۸۰۰ھ میں بنایا تو اس میں اسی طرح کا سردابہ قائم کیا تھا۔ مغلوں کے تسلط کے بعد سردابہ کی تعمیر کا چلن بہت ترقی پا گیا۔ اسے خواتین کے مقبروں میں استعمال کیا گیا۔ چنانچہ شہزادیوں کے مقبروں کے لیے بی بی خانم کے روضہ سمرقند کی روایات ہی کو اختیار کیا گیا۔ روضۂ سمرقند اور روضۂ تاج محل آگرہ میں سردابہ کی ساخت ایک دوسرے سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے۔ لاہور میں نور جہاں کے مقبرے میں بھی یہی صورت نظر آتی ہے۔

۶

فنِ تعمیر کی اِس روایت کی تشکیل میں لاہور کی عمارتوں کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ ایک تو اس لیے کہ اسلامی عمارتوں کا آغاز بر عظیم میں لاہور ہی سے ہوا۔ جو حملہ آور بھی شمال سے آیا، سب سے

پہلے لاہور میں رکا اور یہیں اس کی عمارت سازی کا ذوق ظاہر ہوا۔ منگولوں کی یورشوں نے جہاں پنجاب کے اور شہروں کو نشانہ بنایا وہاں لاہور کی عمارتیں بھی برباد ہوئیں اور آج بہت سے نمونے ناپید ہیں۔ تاہم جو عمارتیں آج موجود ہیں، ان سے یہاں کے فن تعمیر پر ایران و توران کے اثرات کا بخوبی پتا چلتا ہے۔
لاہور کی قدیم عید گاہ، چاہ میراں میں بصورت محراب یا مصلیٰ موجود ہے۔ نصف گنبد والی عمارت قطری کمانوں پر قائم ہے اور وسط ایشیا کی عید گاہوں کی یاد دلاتی ہے۔ مغلیہ عہد کی عمارتیں ایک بڑی حد تک محفوظ موجود ہیں۔ ان کے گنبدوں کی ساخت میناروں کی شکل و صورت اور نقش و نگار کی طرز، ایرانی و تورانی روایت کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔ ان میں مسجد وزیر خان خاص طور پر قابل ذکر ہے جس میں اصفہانی و شیرازی عمارتوں کے جلوے صاف دکھائی دیتے ہیں۔ خاص کر کاشی کاری اور نقش و نگار کا وہ رنگ ڈھنگ جو مشرقی دروازۂ مسجد پر ہے، اس قدیم اثر کی نشان دہی کرتا ہے۔ مسجد کے صحن میں ہر طرف رنگ رنگ کی کاشی کاری کے نمونے ہیں، قرآنی آیات و احادیث مختلف انواع کی خطاطی کو پیش کرتے ہیں۔ کاتبوں میں محمد شریف، حاجی یوسف کاشمیری اور محمد علی کے نام ملتے ہیں جن کے کمالِ فن نے مسجد کی تزئین و آرائش کو دوبالا کیا۔ مسجد وزیر خان کی تعمیری خصوصیت کے سلسلے میں چندر بھان برہمن کا ایک اقتباس اہمیت رکھتا ہے۔ چندر بھان برہمن نے اپنی کتاب "چہار چمن" میں صوبۂ لاہور کے تحت یہاں کے آثار کا ذکر کیا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل الفاظ متعلقہ مسجد وزیر خان نہایت دلچسپ ہیں۔

"در روز جمعہ ارباب فضل و کمال و فصحاے خوش بیان و شعراے شیریں زبان و طبقہ مردم سخن داں از اہل ایران و توران و ہندوستان در گ مسجد وزیر خان کہ ضرب المثل بقاع روزگار است مجتمع گشتہ۔"

ان الفاظ سے واضح ہے کہ مسجد وزیر خان اس وقت بھی خراسان ہی کی عمارت شمار ہوتی تھی۔
ایران و توران کی کاشی کاری کی یہ روایت لاہور میں دوسری عمارتوں میں بھی نظر آتی ہے۔ خاص کر شاہی باغ کے قدیم مغربی اور مشرقی دروازوں، گلابی باغ کے دروازے، چوبرجی کی عمارت اور مسجد چینیاں والی میں یہ نادر نمونے وسط ایشیا کی تعمیری روایات کے تسلسل کی یادگار ہیں۔
کاشی کاری کے علاوہ لاہور کی عمارتوں کے گنبد اپنی اہم خصوصیات کی وجہ سے ایرانی و تورانی روایت کا نمونہ ہیں۔ شاہدرے میں مقبرۂ جہانگیر، مقبرہ آصف خان اور نور جہاں کے مزار اسی روایت کی بہت عمدہ مثالیں ہیں۔ جہانگیر کے مقبرے پر گنبد نہیں، اس کے باوجود یہ عمارت اور دوسرے قریبی مقابر آذربائیجان کے قدم مقابر سے گہری مماثلت رکھتے ہیں۔ آصف خان کے مقبرے کا بلب نما گنبد وسط ایشیائی طرز کے گنبدوں کا اچھا نمونہ ہے۔

۷

مجموعی طور پر یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ لاہور کی عمارات بالخصوص اور برصغیر پاک وہند کی عمارتیں بالعموم اپنی مقامی اور جزئی خصوصیات کے باوجود عمومی پلین نیز گنبدوں، محرابوں اور نقش و نگار کی جملہ خصوصیات کی وجہ سے اس تعمیری روایت کا اہم حصہ ہے جو مسلمان صدیوں تک ایران و توران اور اُندلس وغیرہ میں آزماتے رہے۔ مسلمانوں کے فنِ تعمیر کا یہ اشتراک عام طور پر فنِ تعمیر کے مغربی محققوں نے نظر انداز کیا ہے اور عموماً مقامی ہندی اثرات پر ضرورت سے زیادہ زور دیا ہے، جو کسی طرح مناسب نہ تھا۔

میری دانست میں پاک وہند کے فنِ تعمیر پر وسط ایشیائی فنِ تعمیر کے اثرات نہایت گہرے ہیں اور ان کا مناسب اظہار اور اقرار ہونا چاہیے تھا۔ یہ درست ہے کہ مقامی ہندی فنِ تعمیر نے اسلامی فنِ تعمیر کو پاک وہند میں متاثر کیا لیکن یہ اثرات ضمنی اور فروعی ہیں۔ اسلامی فنِ تعمیر کے اہم عناصر وہی ہیں جو وسط ایشیا سے یہاں آئے اور انہیں کو اسلامی فنِ تعمیر کی اصل روح تصور کرنا چاہیے۔